ڈاکٹر ظہور الدین احمد

علامہ شیرانی — محقق و نقاد

بسلسلۂ "ہندوستان میں مغلوں سے پہلے فارسی ادب"[1]

اس موضوع پر ۱۹۴۱ء میں انگریزی میں ایک کتاب Pre Mughal Persian in Hindustan کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس کے مؤلف شمس العلما پروفیسر محمد عبدالغنی ایم لٹ (کنٹب) صدر شعبہ فارسی و عربی ناگپور یونیورسٹی تھے۔ کتاب بڑی آن بان سے شائع ہوئی۔ شروع میں گورنر سی پی کا تحسین آمیز مکتوب بھی شامل تھا۔ سر شاہ سلیمان جج فیڈرل کورٹ انڈیا جیسی باوقار شخصیت نے دیباچہ لکھا اور ایک جگہ مشہور مستشرق E. G. Browne کا خط بھی شائع کیا ہے تاکہ مطالعہ سے پہلے کتاب کی دھاک بیٹھ جائے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ کتاب ان کے مدت العمر مطالعہ کا حاصل ہوگی اور تاریخ و تحول ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ایک تحفہ —— کتاب ۴۸۵ صفحات پر مشتمل ہے اور پانچ ابواب میں منقسم۔

پہلے باب میں فتح ایران کے بعد عربی و فارسی کے روابط، فتح سندھ، عرب و ہند کے تعلقات، فارسی کے معرب الفاظ، عربوں پر فارسی کا اثر، فارسی سے مستعار الفاظ اور اشعار طمع درج ہیں۔

دوسرے باب میں ساسانی عہد میں شعر کا وجود، تیسری چوتھی صدی میں فارسی نثر، طاہری، صفاری اور سامانی عہد کے شعرا مذکور ہیں۔

تیسرے باب میں غزنویوں کی سرپرستیِ علم و ادب، بوعلی سینا، ابوریحان بیرونی، سالار مسعود غازی کے کارنامے، عنصری، فرخی، عسجدی، مختاری، زینتی، مسعود سعد سلمان اور دوسرے غزنویوں کے مشہور شعرا، حملہائے محمودی، فتح سومنات، محمود کا ذوق علم و ادب، محمود کے بعد کے غزنوی سلاطین اور ان کے عہد کے شعرا مثلاً ابوالفرج

رونی، حسن غزنوی اور سنائی مذکور ہیں۔

چوتھے باب میں غوری اور سلاطین کے عہد سے متعلق ادب پر بحث کی گئی ہے۔ غوری عہد کے شعرا میں رشید شہاب، نازکی مراغی، قاضی حمید بلخی اور امام رازی مذکور ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کو بطور شاعر متعارف کرایا گیا ہے۔ خاندان غلاماں میں ناصری روحانی، تاج الدین دبیر، شہاب مہمرہ، عمید لوئکی اور علاء الدین جہانسوز کا ذکر کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں خاندان غلاماں، خلجی اور تغلق کے شعرا میں سے امیر خسرو، خواجہ حسن، ضیا برنی، بدر چاچ اور قاضی ظہیر دہلوی مذکور ہیں۔ یہیں کتاب کا اختتام ہے۔

علامہ شیرانی نے کتاب کا بھرپور جائزہ لیا اور ۱۳۵ صفحات پر محیط تبصرہ لکھا۔ کتاب کی مجموعی اہمیت پر بھی تنقید کی ہے اور اس کے عیوب و نواقص کو آشکار کیا ہے۔ تبصرہ پڑھ کر کتاب مذکور کی علمی، تاریخی اور تنقیدی حیثیت ختم ہوتی نظر آتی ہے۔ شیرانی صاحب نے کسی تعصب کی بنا پر مطالعہ کر کے اس کے عیوب نہیں گنوائے بلکہ ایک ایک غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے عقلی استدلال کے ساتھ ثبوت کے لیے ماخذ کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ شیرانی نے بتایا ہے کہ کتاب حشو و زوائد سے پُر ہے۔ مؤلف نے اصل موضوع سے ہٹ کر غیر متعلق مباحث سے کتاب کو بھر دیا ہے۔ چنانچہ

پہلا باب بہت کچھ غیر ضروری اور غیر متعلق کہا جا سکتا ہے۔

دوسرے باب میں بھی غیر متعلق مباحث ہیں۔ شیرانی صاحب طنزاً لکھتے ہیں:

ع طفیلی جمع شد چندان کہ جای مہمان گم شد

تیسرا باب نفس موضوع کا پس منظر کہا جا سکتا ہے تاہم ہمارا مسافر اپنی بالا روی سے باز آ کر منزل مقصود کی طرف رجوع نہیں کرتا۔

صفحہ ۲۷۱ سے ۳۳۰ تک خواجہ معین الدین چشتی کو شاعر کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کی یہ ساری محنت اکارت گئی کیونکہ شیرانی صاحب اس کے متعلق پہلے ہی تحقیق کر چکے ہیں کہ یہ کسی اور کا دیوان ہے۔

چوتھے اور پانچویں باب میں ۳۳۰ سے ۴۸۵ تک یعنی کل ۱۵۵ صفحات اصل موضوع سے متعلق ہیں۔ عنوان کے اعتبار سے کتاب سلطان سکندر لودھی کے عہد تک محیط ہونی چاہیے تھی۔ کتاب تغلقوں کے عہد تک ہی اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ علامہ شیرانی نے تبصرے کے آخر میں ایسے علماء و شعرا کی فہرست پیش کی ہے اور ان کی منثور

منظوم تالیفات کے نام بتائے ہیں، جن کا اس کتاب میں ذکر ہونا ضروری تھا۔

۱۔ علامہ شیرانی نے کتاب میں تلفظ، ترجمہ اور سنین کی فاحش غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

۲۔ اشخاص کی تاریخ ہائے ولادت و وفات میں اشتباہات کی نشان دہی کی ہے۔

۳۔ اشعار کی تصحیح کی ہے۔

۴۔ مؤلف نے ضیا برنی کو شاعر بتا کر اس کے اشعار درج کر دیے تھے۔ شیرانی صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اشعار ضیا برنی کے نہیں بلکہ دوسرے شعرا کے ہیں اور ان کے دواوین و کلیات میں موجود ہیں۔

۵۔ مؤلف نے قدامتِ شعر کی بحث میں قصر شیریں پر مرقوم ایک شعر پیش کیا۔

ہژبرا بگیہان انوشہ بذی

جہان را بدیدار نوشہ بذی

علامہ شیرانی نے اس شعر کی قدامت کا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا اور بتایا کہ شاہنامہ فردوسی میں شاہ پور نے اپنے فرزند اورمزد کے لیے اس قسم کا شعر کہا ہے :

بدو گفت شاپور انوشہ بذی جہان را بدیدار نوشہ بذی

۴۔ شیرانی صاحب عروض پر کمال مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے اس علم سے شغف کے بارے میں اسی تبصرے میں بتایا ہے : " عروض کے ساتھ میری دلی بستگی ہے اور ایک بڑا ذخیرۂ کتب و رسائل جمع کر رکھا ہے، اور اتنا ذخیرہ کسی کتب خانے میں موجود نہیں "۔ اسی کتاب میں مؤلف نے جن اشعار کو رباعی کہہ کر پیش کیا ہے۔ علامہ شیرانی نے ان کی بحروں کے نام بتا کر واضح کیا ہے کہ یہ رباعی کا وزن ہی نہیں، اس لیے یہ اشعار رباعی کے نہیں ہو سکتے۔

۵۔ علامہ شیرانی جب ثبوت کے لیے کسی کتاب یا مصنف کا ذکر کرتے ہیں تو بالالتزام مصنف کی تاریخ وفات اور کتاب کی تاریخ تالیف کا ذکر کرتے ہیں، اس سے دلیل محکم ہو جاتی ہے۔ وہ سنین کا ماخذ بھی درج کرتے ہیں۔ شیرانی صاحب اپنی دقیق معلومات کی بنا پر بعض ایسی اطلاعات فراہم کرتے ہیں جن کو پڑھ کر ان کی ہمہ گیر آگہی پر تعجب ہوتا ہے اور معلومات حاصل کر کے ہمیں اپنی کم علمی کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً اس تبصرے میں انھوں نے بتایا ہے :

ا : رودکی کے عہد میں حساب جمل سے مادہ تاریخ نکالنے کا طریقہ نامعلوم تھا۔

ب : رودکی کے عہد میں "گرہ ماندن کار" یا "گرہ ماندن گریہ در گلو" ایسے محاورے موجود نہیں تھے۔

ج : غوریوں کے عہد میں محمد کی ترکیب سے ناموں کا رواج نہیں تھا مثلاً محمد اکبر، محمد علی وغیرہ۔ بابر کے عہد سے اس قسم کے نام رکھنے کا رواج ہوا۔

علامہ شیرانی کے تبصرے میں مندرجہ ذیل بیانات سے متعلق مزید توضیحات کی ضرورت ہے۔ یہ تبصرہ پہلے مجلہ سہ ماہی "اردو" میں شائع ہوا تھا۔ اب دوبارہ مقالات شیرانی مطبوعہ مجلس ترقی ادب جلد ششم میں شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں اسی جلد کے صفحات کی طرف اشارہ ہے۔

ص ۱۱۷ — ۱۔ کشف المحجوب کی تاریخ تالیف اس اشاعت میں دوبارہ ۴۳۱ھ غلط چھپ گئی ہے۔ حالانکہ مجلہ اردو، جولائی ۱۹۴۳ میں اس کی اصلاح کر دی گئی تھی۔ اسے ۴۸۱ پڑھنا چاہیے۔

۲۔ شیرانی صاحب نے لکھا ہے۔ "مخدوم کی وفات باصح اقوال ۴۶۵ھ ہے۔ عبدالحی حبیبی نے اورینٹل کالج میگزین شمارہ فروری ۱۹۶۰ میں تاریخ وفات سے متعلق مزید تحقیق کر کے بتایا ہے کہ کشف المحجوب میں ابوالقاسم قشیری (م۔ ۴۶۵)، ابوالحسن سالبہ (م۔ ۴۷۱)، ابوعلی فارمدی (م۔ ۴۷۷) اور شیخ عبداللہ ہروی (م۔ ۴۸۱) کا ذکر صیغۂ ماضی میں موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کتاب ۴۸۱ھ تک مکمل ہوتی رہی اور علی بن عثمان ہجویری ۴۸۱ھ تک زندہ رہے۔ لیکن اس تحقیق کے باوجود علامہ شیرانی نے ایک اور بیان درج کیا ہے اور وہ یہ کہ "سلطان ابراہیم غزنوی ۴۷۲ میں جب وارد لاہور ہوتا ہے تو مقبرے کی تعمیر کا حکم دیتا ہے۔" شیرانی صاحب نے اس خبر کا ماخذ درج نہیں کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تاریخ وفات ۴۷۲ھ سے پہلے صحیح ماننی پڑے گی۔

ص ۱۴۴۔ ۱۴۵ — شیرانی مرحوم لکھتے ہیں: "خسرو گرفتار ہوتے ہیں اور دو سال بلخ میں گزارتے ہیں، جیسا کہ مشہور ہے۔ یہ مدت ہمیں ۶۸۶ھ تک پہنچا دیتی ہے جو معزالدین کیقباد کی تخت نشینی کا سال ہے۔" مقالات شیرانی کے مرتب نے حاشیے میں وحید مرزا اور پروفیسر حبیب کے بیانات کی تائید سے لکھا ہے کہ "خسرو قید ہو کر بلخ نہیں گئے بلکہ چند دن کے بعد رہا ہو کر ملتان واپس آ کر دہلی روانہ ہو گئے۔" خسرو نے خود اپنی مثنوی دول رانی خضر خان میں (مطبوعہ علی گڑھ، ص ۳۶ پر) اپنی گرفتاری اور رہائی کے متعلق لکھا ہے کہ مجھے گرفتار کرنے والا سپاہی مجھے گھوڑے کے ساتھ باندھ کر گھسیٹتے ہوئے پانی کے کنارے پہنچا۔ سپاہی اور گھوڑے نے پیاس میں

شدت کی وجہ سے جی بھر کر پانی پیا۔ میں نے پانی سے صرف ہونٹ تر کیے اور چھالوں کو دھویا۔ وہ دونوں وہیں مر گئے۔ اس طرح میں جان بچا کر ملتان واپس آگیا۔ اس بیان سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خسرو دو سال تک بلخ میں قیدی نہیں رہے۔

ص ۱۴۴ ــــ "خان شہید یوم جمعہ سلخ ذیقعدہ سنہ ۶۸۳ کو غروب آفتاب کے وقت شہادت پاتا ہے" ذیقعدہ کے بجائے ذی حجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس بیان کی تائید میں جو شعر لکھا گیا ہے اس میں ذی حجہ درج ہے۔

علامہ شیرانی تنقید کے دوران میں طنز و تعریض سے بھی کام لیتے ہیں اور مخالف کو کچو کے بھی دیتے ہیں۔ کبھی کبھی مقابل کی تضحیک کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ اس تبصرے میں انھوں نے فاحش غلطیوں کی نشاندہی کرتے کرتے "شمس العلما" اور "پروفیسر" کو طنزاً بھی استعمال کیا ہے۔ مندرجہ ذیل جملوں سے کتاب کے مؤلف کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔

ص ۱۳۸۔ گھوڑے کو گاڑی کے آگے رکھنا اگر صحیح طریقہ ہے تو اس جملے میں شمس العلما نے گاڑی گھوڑے سے آگے کھڑی کر دی ہے۔

ص ۱۵۲۔ باقی امور شمس العلما کے سرسبز تخیل کی مخلوق معلوم ہوتے ہیں۔

ص ۷۵۔ معلوم نہیں اس عہد کے مورخین ہمیں کیسے کیسے سرابوں کے پیچھے دوڑائیں گے۔

ص ۱۱۹۔ یہ بیان وہی شخص دے سکتا ہے جو تاریخ سے ناواقف ہو۔

شمس العلما پروفیسر محمد عبدالغنی نے اس تبصرے کا جواب لکھا تھا۔ اس کا جواب الجواب پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے اورینٹل کالج میگزین میں شائع کیا جو مقالات حافظ محمود شیرانی جلد ششم میں بطور ضمیمہ شامل کر لیا گیا ہے۔ شمس العلما کے جواب سے متعلق پروفیسر ڈار کا تجزیہ حسب ذیل ہے۔

"شمس العلما عام طور پر سہو نظر یا لغزش قلم کہہ کر ان کی (علامہ شیرانی کے اعتراضات) کی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ چالیس کے قریب ایسی غلطیاں ہیں جن کو انھوں نے اپنے جواب میں تسلیم کیا ہے۔ تیس کے قریب ایسی غلطیاں ہیں جن کی طرف انھوں نے مختلف تاویلوں سے درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ شیرانی صاحب کی طرف غلط بیانات منسوب کیے گئے ہیں۔ ان کے صاف و صریح بیانات میں

افسوس ناک تحریف کی گئی ہے۔ (صفحہ ۲۶۷)

ڈار صاحب نے شمس العلما کے جوابات کو شیرانی مرحوم کے تبصرے کی روشنی میں غلط ثابت کیا ہے۔ اسی طرح شمس العلما دوبارہ علمی تحقیق میں رسوا ہوگئے ہیں۔

مسلمانوں کے عقائد و افکار

(مقالات الاسلامیین)

علامہ ابوالحسن اشعری

ترجمہ

مولانا محمد حنیف ندوی

علامہ ابوالحسن اشعری چوتھی صدی کی وہ جلیل القدر شخصیت ہیں جنھوں نے مسلسل چالیس برس تک اعتزال و جہمیت کی فتنہ سامانیوں کا شکار رہنے کے باوجود اپنے لیے فکر و تعمق اور اجتہاد و کلام کا ایک علیحدہ اور منفرد دبستان سجایا۔

"مقالات الاسلامیین" ان کا وہ علمی شاہکار ہے جسے افکار و نظریات کا انسائیکلوپیڈیا کہنا چاہیے۔ اس میں علامہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے ان تمام عقائد اور افکار کو بغیر کسی تعصب کے بیان کر دیا ہے جو صدیوں ہمارے ہاں کے فکری و کلامی مناظروں کا محور بنے رہے۔ اس کے مطالعہ سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے نفسیات، اخلاق اور مادہ و روح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کی تخلیق کی ہے، وہاں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آئے گی کہ ماضی میں فکر و نظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا ہے اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کن معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو قائم اور برقرار رکھا ہے۔

حصہ اوّل، صفحات ۳۸۰ قیمت ۲۰ روپے ــــ حصہ دوم، صفحات ۴۴۲ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور